نورالانواراردونوٹس (پہلا حصہ)

سوال نمبر 1: نور الانوار کے مصنف کا نام لکھیں نیز اصول فقہ کی تعریف کرتے ہوئے اس کا موضوع اور غرض وغایت بیان کریں؟

مصنف کا نام:

نور الانوار جو المنار کی شرح ہے اس کے مصنف کا نام الشیخ احمد بن ابو سعید بن عبید اللہ بن عبد الرزاق المعروف ملا جیون ہے

اصول فقہ کی تعریف:

"ان علم اصول الفقہ علم یبحث فیہ عن اثبات الادلۃ للاحکام"

ترجمہ: اصول فقہ ایک ایسا علم ہے جس میں احکام شرع کو دلائل سے ثابت کرنے کے متعلق بحث ہوتی ہے۔

علم اصول فقہ کی دو لحاظ سے تعریفیں ہیں

(1) حد لقبی ...... (2) حد اضافی

حد لقبی کی تعریف: "باعتبار انہ لقب لعلم مخصوص"
لقب کے اعتبار سے جو تعریف کی جائے اس کو حد لقبی کہتے ہیں

حد اضافی: "وھو ما یبتنی علیہ الشیء ابتداءً حسیاً او عقلیاً"
جس پر کسی شے کی بنیاد رکھی جائے حسی طور پر یا عقلی طور پر۔

غرض وغایت:

"ھو معرفۃ الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ عن الادلۃ التفصیلیۃ"

اس علم کی غرض وغایت تفصیلی دلائل کے ساتھ احکام شرعیہ فرعیہ کی معرفت کا حاصل کرنا ہے۔

(1) اصول فقہ کا موضوع:

موضوعہ علی المختار ھو الادلۃ والاحکام

اس علم کا موضوع مختار مذھب کے مطابق ادلہ اور احکام ہیں۔

دلائل
ادلہ

(2) نوٹ: یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موضوع تو ایک ہوتا ہے مگر اس علم کے دو موضوع کیوں ہیں یعنی دلائل اور احکام

مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ در حقیقت ایک ہی چیز ہے کیونکہ پہلی "مثبت" ہے یعنی ثابت کرنے والی اور دوسری "مثبت" یعنی ثابت شدہ ہے

سوال نمبر 2

"ان اصول الشرع ثلاثۃ ..... والاصل الرابع القیاس" کی ملاجیون کے انداز میں وضاحت کیجئے؟

یا

اصول اربعہ پر نوٹ لکھیں؟ یا اصول فقہ کتنے ہیں مفصل تحریر کیجئے؟

جواب:

اصول چار ہیں

(i) کتاب اللہ (ii) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(iii) اجماع (iv) قیاس

اصول اصل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے جس پر کسی چیز کی بنیاد رکھی جائے اور یہاں سے مراد ادلہ ہیں۔ شرع اگر شارع کے معنی میں ہو تو اس کا لام عہدی ہوگا اور معنی ہوگا وہ ادلہ جن پر شارع دلیل قائم کرے

اور اگر "الشرع" مشروع کے معنی (۱) میں ہو تو دوسرے معنی ہوگا

وہ شریعت کے احکام کے دلائل" اس وقت الام جنس کیلئے ہوگا

لیکن بہتر یہ ہے کہ "الشرع" دین کے معنی میں ہو پھر کسی تاویل

کی ضرورت نہیں پڑے گی

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو اصول شرع کی بجائے اصول فقہ کہنا

چاہیے تھا۔ تو بعض جواب دیتے ہیں کہ یہ اصول جس طرح

فقہ کے اصول ہیں اسی طرح علم کلام میں بھی یہی اصول ہیں

اس لئے مصنف نے ان کو اصول فقہ سے مقید نہیں کیا

(۱) کتاب اللہ:

کتاب اللہ سے مراد بعض کتاب ہے اور

وہ مقدار اصولیین کے نزدیک پانچ سو آیات ہیں کیونکہ

شریعت کے مسائل ان سے ہی مستنبط ہوتے ہیں باقی

آیات دوسری قوموں کے احوال اور قصص پر مشتمل ہیں

(۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

سنت سے مراد بعض سنت ہے

وہ مقدار تقریبا تین ہزار احادیث ہیں

(۳) اجماع:

اجماع سے مراد امت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع

ہے اس کی شرافت بزرگی اور عزت کی وجہ سے اور اجماع

برابر ہے چاہے اہل مدینہ کا ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل

کا ہو یا صحابہ کرام کا ہو یا دوسرے لوگوں کا ہو۔

(۴) قیاس:

ان تینوں کے بعد شریعت کے احکام کیلئے

قیاس ہے اور قیاس ان تینوں اصولوں سے مستنبط کیا جاتا ہے اور مصنف نے قیاس کے ساتھ المستنبط من ہذہ الاصول الثلاثۃ کی قید اس لیے نہیں لگائی کہ انہوں نے اس کی شہرت پر اکتفا کیا ہے

قیاس کی مثالیں:

(۱) قیاس کی مثال کتاب اللہ سے

قیاس کی کتاب اللہ سے مثال یہ ہے کہ حرمت لواطت کو ثابت کرنا حالت حیض میں حرمت وطی پر اور اس میں علت (اذی) گندگی ہے اور وہ اللہ کے اس فرمان سے مستفاد ہے

"ولا تقربوھن حتی یطھرن۔ ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ پاک ہو جائیں"

(۲) قیاس کی مثال سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

سنت سے قیاس کی مثال جیسے چونے کے ذرات کی حرمت کو قیاس کرنا ان چھ اشیاء کی حرمت پر جو حدیث میں وارد ہیں علت قدر و جنس کی وجہ سے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے مستفاد ہیں:

الحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ مثلا بمثل یدا بید والفضل الربوا

(۳) قیاس کی مثال اجماع سے

قیاس کی مثال اجماع سے یہ ہے کہ زانیہ کی ماں کی حرمت کو قیاس کرنا اپنی موطوءہ باندی کی ماں کی حرمت پر علت جزئیت (ولدیت) کی وجہ سے اور یہ قیاس اجماع سے مستنبط ہے

نصوص

مصنف نے اصول شرع میں پہلے تین بیان فرمائے اور چوتھے
نمبر پر قیاس کا ذکر کیا تاکہ اس پر تنبیہ ہو جائے کہ پہلے
تین قطعی اصول ہیں۔ اور قیاس ظنی ہے اور یہ اغلب اور
اکثر کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ورنہ عام مخصوص منہ البعض اور
خبر واحد ظنی ہی ہوتے ہیں اور قیاس بھی اگر منصوص العلت قطعی سے
ثابت ہو تو وہ قطعی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے جب قرآن کو کہا جائے
منکرین قیاس کا فیصلہ ہو گیا اور جب الرابع کہا تو اس پر دلیل
ہو گئی کہ قیاس کا مرتبہ باقی تین کے بعد ہے پس جب کسی
حکم پہلے تینوں میں موجود ہو گا قیاس کی طرف رجوع کی حاجت
نہیں ہو گی۔

پس کتاب و سنت تو [illegible] اصول ہیں شرع
میں اور اجماع دونوں کیلئے فرع ہے اور قیاس تینوں کیلئے فرع
ہے

وجہ حصر

ان چار میں انحصار کی وجہ یہ ہے کہ استدلال کرنے
والا جب دلیل پکڑے گا یا تو وہ وحی ہے دلیل ہو گی یا غیر وحی
ہے وحی یا متلو ہو گی جو کتاب ہے یا غیر متلو ہو گی جو سنت
ہے اور اگر غیر وحی تمام لوگوں کا قول ہو گا سو اجماع اور اگر بعض
کا ہو گا تو وہ قیاس ہو گا۔ بہر حال پہلی تقسیموں کو
کتاب و سنت کے ساتھ ملحق کیا جائے گا تعامل الناس اجماع کے
ساتھ ملحق ہے قول صحابی اگر معقول ہو تو قیاس اور اگر غیر
معقول ہو تو سنت کے ساتھ ملحق ہے اور استحسان اور
دوسری چیزوں کو بھی قیاس کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔

سوال نمبر تین

(نمبر الف) قرآن پاک کی تعریف بیان کرتے ہوئے وضاحت کریں کہ قرآن صرف لفظوں کا نام ہے یا معنی کا نام ہے؟

یا

(نمبر ب) "ھو اسم للنظم والمعنی جمیعا" کی وضاحت نور الانوار کی روشنی میں کریں؟

قرآن کی تعریف:۔

القرآن المنزل علی الرسول علیہ السلام المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلا متواترا بلا شبھۃ۔

ترجمہ۔ القرآن وہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا مصاحف میں لکھا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح متواتر نقل کیا گیا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔

یہ مکمل قرآن پاک کی تعریف ہے اور اس میں لام عہدی ہے اور اس کا معہود "الکتاب" ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا جو بعض کیلئے مضاف تھی۔ اگر قرآن علم ہو جیسا کہ وہ مشہور ہے تو پھر اس کی تعریف لفظی ہے اور تعریف حقیقی "المنزل" سے "بلا شبھۃ" تک ہے اگر قرآن مفرد یا مفرون کے معنی میں ہو تو یہ الکتاب جنس ہے اور اس کے بعد اس کی فصل ہے

پس "المنزل" غیر آسمانی کتابوں سے اور علی الرسول دوسری آسمانی کتابوں سے بچتا ہے

المنزل زاء کو تخفیف سے پڑھنا بھی جائز ہے پھر معلوم ہوگا کہ قرآن کو یکبارگی اتارا گیا کیونکہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک ایک بار ہی نازل ہوا اور پھر حسب ضرورت اور مصالح کے تحت آیت آیت اور تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا یا یہ کہ قرآن سارا ہر رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ نازل کیا جاتا تھا۔

اعتراض کو اور تشدید سے پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ مختلف اوقات
میں مدت نبوت میں قرآن کا نزول واقع ہوا۔
" المکتوب" قرآن لکھا ہوا ہے کیونکہ مکتوب کے یہ معنی ہیں
مکتوب حقیقت میں وہ نقوش ہیں جو الفاظ اور معنی کی تعبیر
ہیں اور وہ مصاحف میں لکھے ہوئے ہیں الفاظ حقیقیہ ثبت ہیں
حقیقیہ
اور یعنی اتفاقاً ثبت ہے مصاحف میں لام جنس لانے ہو تو ہو
غیر قرآن کو شامل کرنے میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ قرآن
کی اگلی صفت اس سے ان کو نکال دیتی ہے۔ ہو اگر لام عہدی
ہو اور مشہور وہ مصاحف ہیں جو قرأ سبعہ کے ہیں۔ اور
لوگوں میں متعارف ہیں ان کے تعارف کی کوئی ضرورت
نہیں مصاحف کا یہ نہیں کہا جس میں قرآن لکھا ہوا ہے کیونکہ
اس سے دور لازم آتا۔
مصاحف میں لام عہدی کی قید لگا کر اس سے بچتا ہے جو
تلاوت تو منسوخ ہو چکی لیکن حکم باقی ہے جیسے فرمان الٰہی
الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم
اور ابی بن کعب کی قرأت سے اور ان قرأتوں سے جو مصاحف
سبعہ میں نہیں ہیں بچتا ہے۔
قرآن پاک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر نقل
کیا گیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں متواتر کے قول سے اس سے بچتا ہے
جو طریق احاد سے نقل ہیں جیسے ابی کی قرأت متفرقات رمضان میں اور
اس سے بھی جو طریق مشہور سے نقل ہیں جیسے عبداللہ بن مسعود کی
قرأت حد سرقہ میں اور قسم کے کفارے کے بارے میں اور لا شبہہ
کا قول اس پر دلیل ہے کہ یہ جمہور کا مذہب ہے کیونکہ جو متواتر ہو
اس میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

شوافع کے نزدیک خبر مشہور سے احتراز ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی مشہور متواتر کی ایک قسم ہے مگر تسمیہ کے ساتھ اور یہ سب تب ہوگا جب مصاحف میں لام ملنے کا ہوگا اور اگر امام مہدی ہوں تو مصاحف کے قول میں متواتر کے علاوہ ساری قرأتیں نکل جاتی ہیں

ضعیف قول :-

ایک ضعیف قول یہ ہے کہ بلا شبہ کے ساتھ تسمیہ (بسم اللہ) سے احتراز کرنا ہے کیونکہ اس میں شبہ ہے اسی لئے کہ اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا اور نماز میں اس پر اکتفا جائز نہیں اور جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت پر اس کی تلاوت حرام نہیں۔

اصح قول :-

لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ بھی قرآن میں سے ہے لیکن اس میں شبہ کی وجہ سے اس کا منکر کافر نہیں اور نماز میں اس پر اکتفا بھی اس وجہ سے نہیں کہ بعض کے نزدیک یہ آیت تامہ نہیں اور جنبی اور حائضہ کیلئے اس کی تلاوت اس وقت جائز ہے جب بطور تبرک پڑھیں ورنہ تلاوت کی نیت سے ان کیلئے بھی جائز نہیں

جواب (جز ب)

قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے صرف لفظوں کا نام نہیں جس طرح کہ "انزال، کتابت، اور نقل" کے الفاظ اس کی خبر دیتے ہیں اور نہ صرف معنی کا نام ہے جس طرح کہ وہم کیا گیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے عربی الفاظ پر قدرت کے باوجود نماز میں فارسی قرأت کو جائز کہا ہے

اسی طرح یہ اوصاف مذکورہ (انزال، کتابت، نقل) دینی
میں بھی تغیر اجاری ہوتے ہیں اور نماز میں فارسی کے جائز
ہونے کا حکم تو وہ عذر جاہلی کی وجہ سے ہے وہ عذر یہ ہے کہ
نماز کی حالت اللہ سے مناجات کی حالت ہے عربی الفاظ
انتہائی فصیح و بلیغ ہوتے ہیں شاید کہ وہ الفاظ زبان پر
نہ آسکے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر نمازی عربی کہتا تو مشغول
ہو کر اس سے ذہن عربی کی فصاحت و بلاغت کی طرف
منتقل ہو جائے اور وہ اسی اور فواصل سے لذت پانے لگے
تو اللہ کے حضور خالص توجہ نہ کر سکے بلکہ وہ الفاظ اللہ اور بندے
کے درمیان حجاب بن جائے اور امام صاحب تو خود مشاہدہ کے
دریا میں بہت مستغرق تھے اور اس کی ذات کے سوا التفات
نہ کرتے تھے پس آپ پر طعن نہیں کیا جا سکتا کہ کیسے عربی
کے بولنے پر قدرت کے باوجود فارسی کی قرأت کو جائز کیا۔
نماز کے علاوہ دونوں جانبوں کی آپ نے رعایت کی ہے
لفظ کی جگہ نظم کا اطلاق کیا ادب کی رعایت کرتے ہوئے
کیونکہ نظم لغت میں "موتیوں کو لڑی میں پرونا" ہے اور لفظ کا
معنی ہے "پھینکنا" شعر میں بھی عرف نظم کا اطلاق ہوتا ہے اور پھر
نظم اشارہ ہے کلام لفظی کی طرف اور معنی اشارہ ہے کلام
نفسی کی طرف۔ لیکن معنی جو الفاظ کا ترجمہ ہے وہ بھی حادث
ہے جس طرح نظم حادث ہے اسلئے کہ نظم میں حضرت یوسف اور ان
کے بھائیوں کا قصہ فرعون اور اس کے غرق ہونے کا قصہ یہ سب
حادث ہیں اور پھر الفاظ اللہ کے اوامر، نہی حکم اور خبر پر دال ہیں
اور وہ سب یعنی (اوامر، نہی وغیرہ) بغیر شک کے قدیم ہیں۔

سوال نمبر ۴: خاص کی تعریف اس کی اقسام اور خاص کا حکم بیان کریں؟

جواب:

(i) **خاص کی تعریف:**

کل لفظ وضع لمعنی معلوم علی الانفراد

خاص ہر وہ لفظ ہے جو انفرادی طور پر معنی معلوم کیلئے وضع کیا گیا ہو۔

(ii) **خاص کی اقسام:**

خاص کی تین قسمیں ہیں

(i) جنس (ii) نوع (iii) عین

(i) **خصوص الجنس:**

عبارۃ عن کلی مقول علی کثیرین مختلفین بالاغراض دون الحقائق

جنس اس کلی کا نام ہے جو کثیرین مختلفین بالاغراض پر بولی جائے نہ کہ مختلفین بالحقائق پر اس کی مثال "انسان" ہے کیونکہ انسان ایسے کثیر افراد پر بولا جاتا ہے جن کی اغراض مختلف ہوتی ہیں اسلئے کہ انسان کے تحت مرد اور عورت دونوں آتے ہیں مرد کی تخلیق کی غرض یہ ہے کہ وہ امام، نبی، شاہد فی الحدود والقصاص ہو جمعہ اور عیدین کو قائم کرے اور عورت کی غرض یہ ہے کہ وہ مرد کیلئے فراش کا کام دے، بچے پیدا کرے، گھر کے کام کرے

(ii) **خصوص النوع:**

عبارۃ عن کلی مقول علی کثیرین متفقین بالاغراض دون الحقائق

نوع وہ کلی ہے جو بہت سے متفقین

بالاغراض پر بولی جائے متخصصین بالحقائق پر نہیں اس کی مثال "رجل" ہے کیونکہ یہ لفظ ایسے بہت سے افراد پر بولا جاتا ہے جن کی اغراض ایک جیسی ہوتی ہیں کیونکہ افراد رجال عموماً میں سب متفق ہوتے ہیں۔

(iii) خصوص العین:

اور زید خاص العین کی مثال ہے کیونکہ یہ ایک معین شخص ہے جو شرکت کا احتمال نہیں رکھتا مگر جب اس کو متعدد اشخاص پر وضع کر دیا جائے تو یہ کئی آدمیوں کا نام ہو سکتا ہے

خاص کا حکم:

خاص کا حکم یہ ہے "ان یتناول المخصوص قطعا ولا یحتمل البیان لکونہ بینا"

خاص اپنے مخصوص کو قطعی طور پر متناول ہوتا ہے اور غیر کے احتمال کو منقطع کر دیتا ہے مثلاً "زید عالم" تو اس میں زید خاص ہے اور غیر کا احتمال بھی نہیں رکھتا پس اس سے زید پر عالم کا حکم قطعی طور پر ثابت ہو گیا۔

اور دوسرا خاص بذات خود واضح ہوتا ہے کسی طرح کی وضاحت کا احتمال نہیں رکھتا یعنی خاص بیان تفسیر کا احتمال نہیں رکھتا البتہ بیان تقریر اور بیان تغییر کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ یہ قطعیت کے منافی نہیں اسی طرح یہ بیان تبدیل کا بھی احتمال رکھتا ہے

سوال نمبر ۵: خاص کے حکم پر چند تفریعات کو ضبطِ تحریر میں لائیں؟

جواب: خاص بیان کا احتمال نہیں رکھتا کیونکہ وہ بین بنفسہ ہوتا ہے اس پر ہمارے (احناف) اور امام شافعی کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے

(۱) لا یجوز الحاق التعدیل بامر الرکوع والسجود علی سبیل الفرض

رکوع اور سجود کے حکم میں تعدیل ارکان کو فرض سمجھ کر ملانا جائز نہیں جبکہ امام شافعی اور امام ابو یوسف تعدیل ارکان کو رکوع اور سجود کے حکم میں فرض کے طور پر ملاتے ہیں

(۱) الطمینان: آرام و سکون

(۲) [illegible]

امام شافعی کی دلیل:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ تعدیل ارکان رکوع اور سجود میں فرض ہے حدیث اعرابی کی وجہ سے جس نے نماز میں تخفیف کی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قم فصل فانک لم تصل" اٹھو نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی اسی طرح تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

احناف کا جواب:

احناف فرماتے ہیں کہ رکوع اور سجود خاص ہیں اور معنی معلوم کیلئے وضع کئے گئے ہیں کیونکہ رکوع کا معنی ہے "قیام سے جھکنا" اور سجود کا معنی ہے "پیشانی کو زمین پر رکھنا" اور خاص بیان تفسیر کا احتمال نہیں رکھتا حتی کہ کہا جائے کہ بعض مطلق کیلئے یہ حدیث بیان تفسیر کے طور پر لاحق ہے تو حدیث ناسخ بن جائے گی اور نسخ خبر واحد سے جائز نہیں تو جائز ہے کہ قرآن و

سنت میں سے ہر ایک کے مرتبہ کی رعایت کی جائے پس جو کتاب
سے ثابت ہوگا وہ فرض ہوگا کیونکہ (مدلول) قطعی ہے اور جو سنت کیساتھ
ثابت ہوگا وہ واجب ہوگا کیونکہ وہ ظنی ہے

(۲) دوسری مثال:

ویبطل شرط الولاء والترتیب والتسمیۃ والنیۃ فی آیۃ الوضوء
خاص ہے بیان تفسیر کا احتمال نہیں رکھتا پس
اسلئے وضو کی آیت میں پے در پے (ولاء) کی شرط لگانا جس کی شرط
امام مالک نے لگائی ہے اور ترتیب اور نیت کی شرط لگانا جس طرح
امام شافعی نے لگائی ہے اور تسمیہ کی شرط لگانا جس طرح اصحاب ظواہر
نے لگائی ہے یہ باطل ہے اور وجہ (آیت) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے
فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق ------ الآیۃ

(۱) امام مالک کی دلیل:

امام مالک فرماتے ہیں وضو میں پے در پے (ولاء) وضو فرض
ہے اسطرح کہ پہلا عضو سوکھ نہ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو تمام مداومت
کرنے کی وجہ سے ہے

(۲) اصحاب ظواہر کی دلیل:

اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ وضو میں تسمیہ فرض
ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لا وضوء لمن لم یسم۔ اس کا وضو نہیں جس نے بسم اللہ نہ پڑھی

(۳) امام شافعی کی دلیل:

امام شافعی فرماتے ہیں وضو میں ترتیب اور نیت فرض
ہے ترتیب کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلیل ہے
لا یقبل اللہ صلوۃ امرء حتی یضع الطھور مواضعہ فیغسل وجھہ ثم یدیہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بندے کی نماز قبول نہیں فرماتا جب تک وہ طہارت کو اپنی جگہ پر ادا کرے پس اپنے چہرے کو دھوئے اور اپنے ہاتھوں کو ....

اور نیت کیلئے یہ دلیل ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"انما الاعمال بالنیات" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (حدیث)

وضو بھی ایک عمل ہے پس نیت کے بغیر درست نہیں

احناف کی دلیل:

احناف فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کو وضو میں دو چیزوں کا حکم دیا غسل (دھونا) اور مسح کا اور یہ دونوں خاص ہیں اور معنی معلوم کیلئے وضع کئے گئے ہیں اور وہ ہے "الاسالۃ والاصابۃ" یعنی پانی کا بہانا اور تر ہاتھ کا پھیرنا اور ان شرطوں کا لگانا جس طرح کہ مخالفین نے لگائی ہے تو یہ خاص کیلئے بیان تو ہوگا نہیں کیونکہ وہ بین منفسہ ہوتا ہے تو پھر نسخ ہوگا اور نسخ خبر واحد کے ساتھ جائز نہیں پس چاہیے کہ قرآن سنت جن پر اپنے معنی کی رعایت کی جائے پس جو کتاب سے ثابت ہوگا وہ فرض اور جو سنت سے ثابت ہوگا وہ واجب ہوگا جیسا کہ نماز میں لیکن وضو میں بالاجماع کوئی واجب نہیں کیونکہ واجب عمل میں فرض کی طرح ہی ہوتا ہے اور یہ عبادات مقصودہ ہی میں ثابت ہے پس ہم وجوب سے سنت پر آئے اور کہا کہ یہ چیزیں وضو میں سنت ہیں۔

تیسری مثال:

ثالث

"والطہارۃ فی آیۃ الطواف" طواف کی آیت میں طہارت کی شرط باطل ہے کیونکہ خاص بین منفسہ ہے اور بیان کا احتمال نہیں رکھتا اس لئے طواف کی آیت میں طہارت کی شرط لگانا باطل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ"

(۱) امام شافعی کی دلیل :-

امام شافعی فرماتے ہیں کہ طہارت کے بغیر بیت اللہ کا طواف جائز نہیں اور دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "الطواف بالبیت صلوٰۃ" بیت اللہ کا طواف نماز ہے دوسرا فرمان "الا لا یطوفن بالبیت محدث ولا عریان" خبردار بیت اللہ کا طواف بے وضو اور کوئی برہنہ (ننگا) شخص نہ کرے۔

احناف کی دلیل :-

احناف فرماتے ہیں طواف خاص لفظ ہے اور معنی معلوم کیلئے وضع کیا گیا ہے اور وہ معنی یہ ہے "وھو الدوران حول الکعبۃ" یعنی کعبہ شریف کے گرد گھومنا" تو اس میں طہارت کی شرط لگانا اس کا بیان نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بین بنفسہ ہے بلکہ نسخ ہوگا اور خبر واحد سے نسخ بھی جائز نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ طہارت واجب ہوگی اس کو ترک کر دینے سے نقص آئے گا جسکی تلافی دم سے ہوگی اور باقی طوافوں میں تلافی صدقہ سے ہو جائے گی۔

سوال پیدا ہوتا ہے پھر حجر اسود سے اس کی ابتدا اور سات چکر لگانا کیوں ضروری ہے تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ سات چکر لگانا اور حجر اسود سے طواف کی ابتدا کرنا شاید خبر مشہور سے ثابت ہیں اور خبر مشہور کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

چوتھی مثال :-

(۷/۱) "والتاویل بالاطہار فی آیۃ التربص" تربص والی آیت میں طہر سے تاویل کرنا باطل ہے جب خاص میں بیان نہیں ہے اور وہ بیان کا احتمال نہیں رکھتا پس "قروء" کی تاویل "طہر" سے کرنا باطل ہے اللہ کے اس فرمان میں "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا قول "قُرُوْءٍ" طہر اور حیض دونوں معنی میں مشترک ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "قُرُوْءٍ" کا معنی طہر ہے اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "فطلقوهن لعدتهن" میں "لام" وقت کے معنی میں ہے یعنی ان کو طلاق عدت کے وقت دو اور وہ طہر ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ طلاق طہر میں دی جائے

(۲) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

امام صاحب نے اس کی تاویل (قروء) "حیض" سے کی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ثلاثۃ" کی دلالت سے کیونکہ یہ لفظ خاص ہے جو زیادتی اور نقصان کا احتمال نہیں رکھتا اور طلاق صرف طہر میں مشروع ہے لہذا جب کسی نے عورت کو طہر میں طلاق دی اور عدت بھی طہر سے ہو تو چند صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ضرور پائی جائے گی

۱۔ یہ طہر عدت میں شمار ہوگا یا نہیں اگر شمار کیا جائے جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے تو دو "قروء" ہوں گے اور تیسرے کا بعض ہوگا کیونکہ بعض تو گزر چکا۔

۲۔ یا یہ طہر عدت میں شمار نہیں ہوگا اور تیسرا "قروء" (بعد) میں لیا جائے گا جو ان دونوں کے علاوہ ہوگا تو تین "قروء" پورے اور چوتھے کا بعض لازم آئے گا اور دونوں صورتوں میں خاص کا مقتضیٰ جو "ثلاثۃ" ہے باطل ہو جاتا ہے

اگر احناف کے قول مطابق جب عدت حیض میں ہو اور طلاق طہر میں ہو تو مذکورہ دونوں صورتیں لازم نہیں آتی بلکہ عورت تین کی عدت طہر گزرنے کے بعد شمار ہوگی جو وہی طہر ہے جس میں طلاق واقع ہوئی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کے قول "فطلقوھن لعدتھن" کے
معنی "لعدتھن" کے ہیں یعنی ان کو اس طرح طلاق دو کہ ان
کی عدت شمار کرنا ممکن ہو اور اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ کہ طلاق اس طہر میں دی جائے جس میں وطی نہ کی ہو کیونکہ
شوہر جانتا ہے کہ وہ غیر حاملہ ہے پس بہر حال تین حیض شمار
کرے گی اور

۲۔ اس طہر میں طلاق نہ دے جس میں عورت سے وطی کی ہو کیونکہ
اس صورت میں وہ نہیں جانتا کہ عورت حاملہ ہے اور نہ واضح
[illegible] حمل کی عدت گزارے یا غیر حاملہ ہے اور وہ حیض کی عدت
گزارے

۳۔ اسی طرح حیض میں بھی طلاق نہ دو۔ اس لئے کہ یہ حیض
ہمارے نزدیک معتبر نہیں نہ ہی وہ طہر معتبر ہے جو اس سے
ملا ہوا ہے

سوال نمبر 6

حدیث عسیلہ پر مفصل نوٹ تحریر کریں؟

حدیث العسیلۃ لا بقولہ حتی تنکح زوجا غیرہ پہر زوج ثانی
وحلّیۃ الزوج الثانی بحدیث العسیلۃ ... سوال ... لکھیں

جواب: دوسرے شوہر کا حلت ثابت کرنا
حدیث عسیلہ سے ثابت ہے اللہ تعالی کے قول "حتی تنکح زوجا غیرہ" سے
ہیں یہ ایک سوال کا جواب ہے جو امام شافعی کی جانب سے
ہم پر وارد ہوتا ہے

(1) امام شافعی کا سوال:

امام شافعی کا سوال یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو دو طلاق
دی اور بیوی نے دوسرے شوہر سے شادی (نکاح) کی اس کے بعد
دوسرے شوہر نے اس کو طلاق دیدی اور اس عورت نے پہلے
شوہر سے نکاح دوبارہ کرلیا تو پہلا شوہر دوسری مرتبہ مستقل
تین طلاق کا مالک ہوجائے گا اس پر اتفاق ہے

صورت یہ ہے کہ پہلے شوہر نے اس کو تین طلاقیں نہیں دی تھیں بلکہ دو
دی یا ایک اور عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اس نے
طلاق دی تو اس نے پہلے شوہر سے نکاح کیا تو امام محمد اور امام شافعی
فرماتے ہیں جو طلاقیں رہ گئی تھیں پہلا شوہر صرف ان کا مالک ہوگا
یعنی پہلے ایک دی تو اب دو اور دے سکتا ہے اور وہ عورت مغلظہ ہوجائے
گی اگر پہلے دو دی تو اب صرف ایک کا مالک ہوگا۔

احناف کا موقف:

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں
کہ پہلا شوہر تین طلاقوں کا مالک ہوگا (دوبارہ) اور پہلے جو ایک یا دو باقی
رہ گئی تھیں وہ بیکار ہوگئیں۔ اسلئے کہ دوسرا شوہر پہلے شوہر کیلئے
حلت جدیدہ ثابت کرنے والا ہے

امام شافعی کا اعتراض:

امام شافعی اعتراض کرتے ہیں کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "فان طلقها فلا تحل ___ الاٰیۃ" سے استدلال کیا گیا ہے اور اس میں کلمہ "حتیٰ" خاص ہے جو غایت اور انتہا کیلئے وضع کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تین مغلظہ طلاقوں کے نتیجہ میں جو حرمت ثابت ہوئی تھی زوج ثانی سے نکاح کر لینے سے وہ حرمت ختم ہو گئی اور غایت کا اس میں کوئی اثر باقی نہ رہا۔ لہٰذا آیت کا یہ معنی نہیں بنتا کہ نکاح ثانی کے بعد حلت جدیدہ ثابت ہو گی۔ اور حلت جدیدہ ثابت کرنے سے "حتیٰ" جو کہ خاص ہے اس کے موجب کا ابطال لازم آتا ہے پس وہ طلاق جس میں مغیا (یعنی غایت) پائی جا رہی ہے اور وہ تین طلاقیں ہیں اس میں دوسرا شوہر حلت ثابت کرنے والا نہیں تو وہ طلاق جس میں مغیا نہیں پائی جا رہی اور وہ تین سے کم طلاقیں ہیں ان میں شوہر ثانی بدرجہ اولیٰ حلت جدیدہ ثابت کرنے والا نہیں ہو سکتا ہے

احناف کا جواب:

حضرت احناف کی طرف سے جواب دیتے ہیں

کہ زوج ثانی کا محلل ہونا پہلے شوہر کیلئے ہم حدیث عسیلہ سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ فرمان خدا "حتیٰ تنکح زوجا غیرہ" سے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت رفاعہ کی بیوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کی کہ مجھے رفاعہ نے تین مرتبہ طلاق دی تو میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا تو میں نے ان کو اس کپڑے کی مانند پایا (یعنی ڈھیلا عنین) تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو عرض کی ہاں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں "حتیٰ تذوقی عسیلتہ ویذوق من عسیلتک" یہاں تک کہ تم اس کے شہد سے چکھو اور وہ تمہارا چکھیں (یعنی جماع کریں)

پس یہ حدیث اسلئے لائی گئی ہے کہ دوسرا شوہر وطی بھی کرے ضروری ہے کہ آیت کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کہ

نکاح کر لینا کافی نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی نے بھی اس کو قبول کیا ہے اور

ایک مشہور حدیث ہے اور مشہور حدیث سے کتاب اللہ پر زیادتی

وطی ان کے ہاں بھی شرط ہے اور یہ حدیث جس طرح عبارت النص سے وطی کی

جائز ہے۔ اور یہ حدیث اسی طرح اشارۃ النص سے زوج ثانی کے حلت

شرط ہونے پر دلالت کرتی ہے

ثابت کرنے والا ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے

اور یہ حضورؐ نے فرمایا "اتریدین ان تعودی الی رفاعۃ" آپ نے عود کا لفظ

ذکر فرمایا "تنتھی حرمتک" نہیں فرمایا "عود" پہلی حالت پر اسی طرح لوٹنے

کو کہتے ہیں اور حالت اول میں زوج کے لئے حلت ثابت تھی تو جب

پہلی حالت لوٹ آئی تو حلت بھی دوبارہ لوٹ آئی۔

حرف آخر

تو جہاں اس نص سے اس جگہ حلت ثابت

ہو گئی جہاں پر حلت معدوم تھی یعنی تین طلاقوں والی صورت میں

تو جہاں حلت ناقصہ موجود تھی یعنی حلت تو تھی لیکن ناقص تھی یعنی

ایک یا دو طلاقوں کی صورت تو اس میں بدرجہ اولی دوسرا شوہر ناقص

حالت کو پورا کر دے گا۔

سوال نمبر ۷

"ابطال العصمة عن المسروق بقوله "جزاءً" لا بقوله "فاقطعوا" پر نوٹ لکھیں؟

الجواب:

مال مسروق سے عصمت کا باطل ہونا ہم فرمان خدا "جزاءً" سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ "فاقطعوا" کے قول کی بنا پر۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے جو امام شافعی ہم پر وارد کرتے ہیں۔

امام شافعی کا استدلال:

جب ایک چور نے چوری کی اور اس میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اب اگر وہ شے مسروق چور کے پاس موجود ہو تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ واپس کرے گا۔ اور اگر وہ ہلاک ہو گئی تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر تاوان واجب ہے خواہ وہ شے خود ہلاک ہوئی ہو یا جان بوجھ کر ہلاک کیا ہو۔

احناف کا استدلال اور دلیل:

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس پر تاوان واجب نہیں مگر ایک قول ہے کہ خود اگر ہلاک کر دے تو تاوان واجب ہے دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب چور نے چوری کرنے کا ارادہ کیا تو اس مال کی حفاظت اور عصمت چوری سے تھوڑی دیر پہلے مالک کی طرف سے باطل ہو گئی اور وہ مال اس کے حق میں ایسا ہو گیا کہ اس کی کوئی قیمت نہیں اور یہ مال مسروق اللہ کی عصمت میں چلا گیا اور اللہ تعالیٰ مال کا تاوان لینے سے مستغنی ہے۔

اور اگر مال موجود ہو تو اس کا واپس لوٹانا اس لئے ضروری ہے کہ مالک کی ملکیت باطل نہیں ہوئی اگرچہ عصمت تھوڑی دیر پہلے چلی گئی تھی تو ظاہری صورت کا لحاظ کر کے ہم نے مال لوٹانا واجب کیا اور حقیقت کا اعتبار کر کے ہم نے تاوان کو واجب نہیں کیا۔

امام شافعی کا اعتراض:

امام شافعی اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس باب میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "والسارق والسارقۃ ... الایۃ" اور "قطع" کا لفظ خاص ہے اور معنی معلوم ہے واضح کر دیا گیا ہے اور وہ معنی ہے "ہاتھ کو کاٹ دینا" اور یہ لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ مال کی عصمت مالک سے اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو گئی ہے لہٰذا عصمت کے بطلان کا قول کتاب اللہ پر زیادتی ہے

احناف کا جواب:

مصنف امام صاحب کی طرف سے جواب دیتے ہیں کہ مال کی عصمت کا باطل ہونا اور مالک سے زائل ہو کر اللہ کی عصمت میں چلا جانا ہم "جزاء بما کسبا" سے ثابت کرتے ہیں "فاقطعوا" سے نہیں کیونکہ عقوبات کے موقع پر جب جزاء مطلق واقع ہو تو اس سے وہ چیز مراد ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں واجب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں وجوب اس وقت ہوگا جب جنایت یعنی جرم اس کی ملکیت اور حفاظت میں واقع ہو اور جب ایسا ہوگا تو جرم اسکی حفاظت میں پایا گیا تو جزاء بھی اس کی کامل ہوگی اور وہ قطع جزاء کامل ہے۔ مال کے تاوان کی ضرورت نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ مال اگر چور کے پاس موجود ہو تو مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔

۲) اور دوسری بات یہ کہ "جزاء" کا معنی کافی ہے لہٰذا معلوم ہو گیا کہ قطع ید اس جرم کے لئے کافی ہے کسی دوسری سزا کی ضرورت نہیں تاکہ اس پر تاوان واجب کیا جائے۔

سوال نمبر 8

خاص کے حکم پر مزید چند تفریعات تحریر کریں؟

جواب:

(5) پانچویں مثال:

"صح الحاق الطلاق بعد الخلع"

خلع کے بعد طلاق دینا درست ہے کیونکہ خاص اپنے مدلول کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے اسی لئے ہمارے (احناف) کے نزدیک خلع کے بعد عورت کو طلاق دینا ٹھیک ہے لیکن امام شافعی اس میں اختلاف فرماتے ہیں

امام شافعی کا موقف:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ خلع نکاح کو فسخ کرنے کا نام ہے لہٰذا خلع کے بعد نکاح باقی نہیں رہے گا اس لئے خلع کرنے کے بعد طلاق دینا صحیح نہیں ہے

احناف کا موقف:

احناف کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک خلع طلاق کے مترادف ہے جس کے بعد طلاق دینا صحیح ہے۔

احناف کی دلیل:

احناف دلیل دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان" یعنی طلاق رجعی دو ہیں یا طلاق شرعی ایک طلاق دینے کے بعد دوسری طلاق دینا ہے نہ کہ اکٹھی دینا بس پھر اس کے بعد یا تو شوہر رجوع کرے عورت کو روک رکھے اور اچھا معاملہ کرے یا احسان کیساتھ اس کو چھوڑ دے پھر خلع کا ذکر فرمایا کہ "فان خفتم ان لا یقیما ..... الآیۃ" یعنی اے حاکمو اگر زوجین اللہ کی حدود کو اچھی طرح قائم نہیں رکھ سکتے تو کوئی حرج نہیں کہ عورت فدیہ دے کر اپنے آپ کو شوہر سے الگ کرے

پس پتہ چلا کہ خلع میں عورت کا کام فدیہ دینا اور مرد کا کام طلاق دینا ہے اور شوہر اس کو طلاق دیدے۔ فسخ کرنا نہیں کیونکہ فسخ نکاح دونوں جانب سے ہوتا ہے

امام شافعی کا اعتراض:-

امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ آیت "الطلاق مرتان" کے ساتھ متصل ہے تاکہ یہ تیسری طلاق ہو جائے اور خلع کا ذکر ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے کیونکہ وہ فسخ ہے اور اس کے بعد طلاق دینا صحیح نہیں ہے۔

احناف کا جواب:-

احناف فرماتے ہیں کہ یہاں "فا" خاص ہے اور معنی مخصوص کیلئے وضع کیا گیا ہے اور وہ ہے تعقیب، اور اللہ تعالی کے فرمان میں اس کو طلاق کے بعد لایا گیا ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ خلع کے بعد واقع ہو اور وہ طلاق ہے۔

الغرض مسئلے کی انتہا یہ ہے کہ اسے سے زیادہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ چار طلاقیں لازم آئیں۔ اللہ تعالی کے اس فرمان میں "الطلاق مرتان" تیسری خلع اور چوتھی اللہ تعالی کا یہ فرمان "فان طلقها فلا تحل له" لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ خلع کوئی مستقل علیحدہ طلاق نہیں بلکہ دونوں طلاقوں کیساتھ داخل ہے گویا یہ مطلب بنتا ہے کہ طلاقیں دو ہیں برابر ہے کہ خالی ہوں اس صورت میں امساک بمعروف او تسریح باحسان واجب ہے یا خلع کے ضمن میں ہوں تو وہ عورت بائنہ ہو جائے گی پس پھر اگر ان دونوں طلاقوں کے بعد مرد نے اس کو طلاق دی تو اس کیلئے وہ عورت حلال نہ ہوگی حتی کہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

(۱۱) چھٹی مثال :-

"وجوب مہر المثل بنفس العقد فی المفوضۃ"

مفوضہ میں نفس عقد سے ہی مہر مثل واجب ہو جاتا ہے

خواہ اس پر عمل واجب ہوتا ہے اور وہ بیان تفسیر کا احتمال نہیں رکھتا اس لئے مفوضہ میں وطی کی تاخیر کے بغیر ہی صرف نفس عقد سے مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ وہ عورت جس کے ولی نے اس کو بغیر مہر کے اس کے شوہر کے سپرد کر دیا یا کہا کہ اس کیلئے کوئی مہر نہیں تو اس میں امام شافعی اور احناف کا اختلاف ہے

امام شافعی کا موقف :-

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ان دونوں میاں بیوی میں سے کوئی پیش آئے تو اس عورت کیلئے کوئی مہر نہیں یہاں تک کہ اس کے ساتھ شوہر وطی کرے اور اگر وطی سے پہلے کوئی مر گیا تو مہر واجب ہی نہیں ہوگا۔

احناف کا موقف اور دلیل :-

احناف فرماتے ہیں کہ عقد کے ساتھ ہی مہر مثل اس کے ذمہ میں واجب ہو جائے گا ہاں اسکی ادائیگی وطی اور موت کے وقت لازم ہوگی اللہ تعالی کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے "واحل لکم ما وراء ذلکم ۔۔۔ الآیۃ" اس قول میں "ان تبتغوا" "ما وراء ذلکم" سے بدل ہے یا لام کی تقدیر پر کیا تو مفعول لہ ہے یعنی محرمات کے علاوہ تمہارے لئے حلال ہے کہ مال دے کر نکاح کر لو۔ اس آیت میں "ما" خاص ہے اور معنی معلوم کیلئے وضع کیا گیا ہے اور وہ [illegible] ہے الالصاق

خاص ہے۔ وہ صیغہ دراصل انشاء بھی خاص ہے اباحت تو صاحبین کے نزدیک
پس معلوم ہو گیا کہ یہ مہر اللہ کے علم میں مقرر ہے اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے اس قول کے ساتھ بیان فرما دیا "لا مہر اقل من عشرۃ دراہم"۔ کوئی مہر
دس درہم سے کم نہیں۔

سوال نمبر 9

"وبخصوص مرادہ بصیغۃ لازمۃ" کی نور الانوار کی روشنی میں
وضاحت کریں؟

جواب:

"امر کی مراد اس صیغہ کے ساتھ خاص ہے جو وجوب
کیلئے لازم ہے"۔ یہاں سے امر کے خاص ہونے کا بیان ہے
یعنی امر کی مراد جو وجوب ہے اس صیغہ کے ساتھ خاص ہے جو
وجوب کیلئے لازم ہے

اس کو بیان کرنے کی غرض دونوں جانبین سے
اختصاص کا بیان کرنا ہے کہ امر صرف وجوب کیلئے ہوتا
ہے اور وجوب صرف امر سے ہی ثابت ہوتا ہے فعل
سے ثابت نہیں ہوتا۔ لہذا اس سے اشتراک اور ترادف
دونوں کی نفی ہو گئی۔

1ء جیسے اگر یہ کہا جائے کہ باء کا دخول یہاں خصوص کیلئے ہے جیسے
عبداللہ نے اس قول میں "خصصت فلانا بالذکر" تو صیغہ وجوب کے
ساتھ خاص ہو گا اور ندب اور اباحت کی نفی ہو جائے گی اور
یہ اشتراک کی نفی ہے اسی طرح حضرات کے قول "لازمۃ" کا معنی
پھر یہ ہو گا کہ صیغہ مراد کیلئے لازم ہے اور اس سے جدا نہیں ہو گا

سوال نمبر 10

"الامر لا یقتضی التکرار ولا یحتملہ" پر نوٹ لکھیں "یا"
"امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا نہ اس کا احتمال رکھتا ہے" نور الانوار
کی روشنی میں وضاحت کریں:

جواب:

امر وجوب کے اعتبار سے نہ تکرار
کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی تکرار کا احتمال رکھتا ہے
بعض ایک جماعت اس مذہب کی طرف گئی ہے اور ہمارا
اور ان کا اختلاف ہے

شوافع کا موقف اور دلیل:

(امام شافعی) اس طرف گئے ہیں کہ امر کا
محتمل تکرار ہے یعنی امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور اس
کی دلیل یہ دیتے ہیں جب حج کا حکم نازل ہوا تو حضرت
اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
سوال کیا کہ کیا یہ حکم ہر سال کیلئے ہے یا صرف اسی سال
کیلئے پس حضرت حابس رضی اللہ عنہ اہل لسان تھے لیکن انہوں نے
حج کے امر سے تکرار کو سمجھا اور ہر سال حج کرنے میں حرج لازم
جانا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو جس سے معلوم ہوا
کہ امر تکرار کا تقاضہ کرتا ہے۔ دوسری یہ دلیل ہے کہ امر "اضرب" امر
کا صیغہ "اطلب منك ضربا" سے مختصر ہے اور "ضربا" نکرہ ہے اور
نکرہ محل اثبات کلام میں تخصیص کا فائدہ دیتا ہے البتہ عموم کا احتمال
رکھتا ہے لہذا اس کو عموم پر محمول کیا جائے گا جب اس کے
ساتھ قرینہ موجود ہوگا (بعض اصحاب شوافع یہ بھی کہتے ہیں
جب امر شرط کے ساتھ معلق ہو یا صفت کے ساتھ خاص ہو تو امر

وصف اور شرط کے ذکر ہونے کیساتھ مکرر ہوتا ہے جیسے "والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما" تو جب جب چور چوری کرے گا تو تب ہی امر مکرر ہوگا۔)

احناف کا موقف اور دلیل:

احناف فرماتے ہیں کہ امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا احتمال رکھتا ہے اور دلیل دیتے ہیں کہ جب "صلّوا" کا کلمہ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا "افعلوا فعل الصلوۃ مرۃ" یعنی فعل صلوۃ ایک دفعہ انجام دو اور یہ کلمہ اس پر ہرگز دلالت نہیں کرتا کہ فعل صلوۃ کو بار بار سر انجام دیا جائے اور یہ کہ ہمارے نزدیک امر چاہے شرط کیساتھ معلق ہو یا کسی وصف کیساتھ موصوف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں نہ تکرار پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی اس کا احتمال رکھتا ہے۔

سوال نمبر 11

"اسم الفاعل یدل علی المصدر لغۃ ولا یحتمل العدد" جملے کی انداز میں وضاحت کریں؟

جواب:

"اسم فاعل مصدر پر لغۃً دلالت کرتا ہے اور عدد کا احتمال نہیں رکھتا"

مصنف کا قول "یدل" امر سے تنبیہ بیان ہے اور "لا یحتمل" اسی پر عطف ہے اور کچھ نسخوں میں "لا یحتمل"

"واو" کے بغیر ذکر ہوا ہے پس اس صورت میں یہ وجہ شبہ بیان
ہو جائے گا اور قول بدل ہو گا پھر سوال واقع ہوگا یعنی اس طرح
کہ اسم فاعل تجدد کا احتمال نہیں رکھتا اس حال میں کہ وہ
مصدر پر لغتہً دلالت کر رہا ہوتا ہے اور یہ اس اسم فاعل سے
پہچانا ہے جو مصدر پر اقتضاءً دلالت کرتا ہے جس کی مثال قول
"انت طالق" ہے

مسئلہ پر تفریع :

اور یہ اس پر تفریع ہے کہ اسم فاعل تکرار
کا احتمال نہیں رکھتا اور امام شافعی پر اعتراض ہے کہ
آیت سرقہ میں ایک دفعہ ہی چوری مراد ہوگی اور ایک دفعہ کے فعل
سے ایک مرتبہ ہی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے

امام شافعی کا موقف اور دلیل :

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر
چور چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ پہلے کاٹو پھر چوری کرے تو
بایاں پاؤں کاٹو پھر چوری کرے تو تیسری مرتبہ اس کا بایاں ہاتھ
کاٹو اور چوتھی مرتبہ کرے تو اس کا دایاں پاؤں کاٹا جائے گا
اور دلیل اللہ تعالیٰ کے محبوب کا یہ فرمان دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا من سرق فاقطعوہ فان عاد فاقطعوہ فان عاد فاقطعوہ فان عاد فاقطعوہ"

احناف کا موقف اور دلیل :

احناف فرماتے ہیں کہ تیسری مرتبہ
چوری پر بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید میں
ڈالا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ
السارق اسم فاعل ہے اور مصدر پر لغتہً دلالت کرتا ہے

اور جو ورز سے ایک ہی مراد ہے یا مکمل اور تمام جو زیاں آخر
زندگی میں ہو جاتی ہیں لہذا واحد حقیقی مراد ہو گیا اور ایک
دفعہ کے عمل سے ایک کے دو نمبر کا ٹا جائے گا اور دوسرا اتفاق واقع ہو
قطع پیر داذت کرتا ہے اور عدد کا احتمال نہیں رکھتا پس دوسرا
کے لیے اس آیت سے ثابت نہیں ہوگا یہاں سے اعتراض نہیں ہو سکتا
کہ دوسری مرتبہ پایا یا پاؤں بھی نہیں کاٹنا چاہیے کیونکہ آیت میں
پاؤں کا ذکر ہے ہی نہیں اسلئے اس کو دوسری نص سے ثابت کرتے
ہیں جس کی تصریح نہیں بخلاف ہاتھ کے کہ وہ آیت میں مذکور ہے
اور اس کی تعیین داہنے ہاتھ سے ہو چکی اور اب بایاں ہاتھ خبر
واحد سے ثابت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ کتاب اللہ پر زیادتی
ہوگی۔

سوال نمبر 12

"مسئلہ الامر نوعان" پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟

امر کے حکم کی اقسام لکھتے ہوئے وضاحت کریں کہ ایک امر دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:

امر کیا گیا جو ثابت ہوتا ہے وہ وجوب ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وجوب اداء
(۲) وجوب قضاء

اداء کی تعریف:

"وھو تسلیم عین الواجب بالامر"

یعنی امر سے جو چیز واجب ہوئی ہو اس کو بعینہ اس کے مستحق کے سپرد کرنا۔ یعنی اس کو عدم سے وجود میں لانا۔ اس کے معین وقت میں، عدم سے وجود میں لانا تسلیم کے معنی میں ہے ورنہ تمام افعال تو اعراض ہیں اور اعراض کا تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے۔

امام فخر الاسلام اور دوسرے علماء نے "عین الواجب" کی جگہ "نفس الواجب" لکھا ہے تو اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ نفس وجوب امر سے نہیں ہوتا بلکہ وقت سے ہوتا ہے اسی وجہ سے مصنف نے "نفس واجب" کی جگہ "عین واجب" کا ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ نفس واجب یا عین واجب کو وقت میں کیا اس سے مراد لیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے نفل وقتیہ کی تعریف کی قید درست نہیں اور نوافل مستحبہ کی قید بھی نہیں لگائی کیونکہ بالامر دلالت کرتا ہے کہ امر ہی اس کا مستحق ہے۔

قضاء کی تعریف:

"وھو تسلیم مثل الواجب بالامر"

یعنی جو امر سے ثابت ہوا اس کی مثل کو سپرد کرنا یعنی جو چیز پہلے وقت میں واجب ہوئی تھی اس کی مثل کو دوسرے وقت میں ادا کرنا۔ مصنف کو چاہیے کہ وہ "من عندہ" کی قید بھی لگا دیتے تاکہ آج کی ظہر کی ادا کل کی ظہر کی قضا سے نکل جائے کیونکہ یہ دونوں بندے کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور قضا وہ نفل کا پھیرنا ہے جو بندہ کا حق ہے اس فعل کی طرف جو اس پر واجب ہے اور قید شہرت کی

کو واجب کرتی ہے کیونکہ سبب ضرورت یعنی وقت مراد ہے

اور اس اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ادا کو واجب کرنے والی نص ہی قضا کو بھی واجب کرتی ہے

احناف کا موقف اور دلیل:

احناف فرماتے ہیں کہ ادا کو واجب کرنے والی نص جو اللہ تعالیٰ کا فرمان "اقیموا الصلوٰۃ" اور "کتب علیکم الصیام" ہے یہی نص قضا کو بھی واجب کرتی ہے اور قضا کو واجب کرنے کیلئے کسی نئے سبب کی ضرورت نہیں ہوتی اور وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "من نام عن صلوٰۃ او نسیھا فلیصلھا اذا ذکرھا فان ذالک وقتھا" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر" ہے۔ بلکہ یہ نصوص تنبیہ کیلئے وارد ہوتی ہیں کہ تمہارے ذمہ سابقہ نصوص سے جو ادا تھی وہ ابھی باقی ہے اور فوت ہونے کے ساتھ وہ ساقط نہیں ہوتی۔ اسی لئے نماز اور روزہ کی ادائیگی کی تقدیر مامور کے پاس مثل پر قدرت رکھنے کی وجہ سے اور وقت کی فضیلت کا مثل اور ضمان کے بغیر ساقط ہونا اس سے عاجز ہونے کی وجہ سے ابتدا امر ہے جو قیاس سے معقول ہے لہذا ہم نے قضا کے حکم کو اس کی طرف پھیر دیا جس میں کوئی نص وارد نہیں ہوتی اور وہ نذر کا روزہ، نماز اور اعتکاف ہے

امام شافعیؒ کا موقف:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قضا کیلئے ایک نص جدید کا ہونا ضروری ہے جو اس کو واجب کرنے والی ہو اور وہ ادا کی نص کے علاوہ ہے پس امام

کو واجب کرتی ہے نہ کہ سبب، ضروری اسی وقت مراد ہے۔

(اور اس اختلاف میں بھی تفصیل سمجھ لیجئے کہ ہمارے نزدیک ادا کو واجب کرنے والی اصل سبب ہی ہوتی ہے جو قضا)

احناف کا موقف اور دلیل:

احناف فرماتے ہیں کہ ادا کو واجب کرنے والی نص جو اللہ تعالیٰ کا فرمان "اقیموا الصلوٰۃ" اور "کتب علیکم الصیام" ہے یہی نص قضا کو بھی واجب کرتی ہے اور قضا کو واجب کرنے کیلئے کسی نئے سبب کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو نیا سبب اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "من نام عن صلوٰۃ او نسیہا فلیصلہا اذا ذکرہا فان ذالک وقتہا" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر" ہے۔ بلکہ یہ نصوص تنبیہ کیلئے وارد ہوتی ہیں کہ تمہارے ذمہ سابقہ نصوص سے جو ادا تھی وہ ابھی باقی ہے اور وقت ہونے کے ساتھ وہ ساقط نہیں ہوتی۔ اسی لئے نماز اور روزہ کی ادائیگی فی نفسہ مامور کے پاس مثل پر قدرت رکھنے کی وجہ سے اور وقت کی فضیلت کا مثل اور ضمان کے بغیر ساقط ہونا اس سے عاجز ہونے کی وجہ سے ایسا امر ہے جو فی نفسہ معقول ہے لہذا ہم نے قضا کے حکم کو اس کی طرف پھیر دیا جس میں کوئی نص وارد نہیں ہوتی اور وہ نذر کا روزہ، نماز اور اعتکاف ہے:

امام شافعیؒ کا موقف:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قضا کیلئے ایک نص جدید کا ہونا ضروری ہے جو اس کو واجب کرنے والی ہو اور وہ ادا کی نص کے علاوہ ہے پس امام

شافعی کے نزدیک نماز کی قضا کیلئے نص جدید اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم
کا یہ فرمان ہے من نام عن صلوٰۃ او نسیہا فلیصلہا اذا ذکرہا فان ذالک وقتہا
ہے اور روزے کی قضا کیلئے نص جدید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان فمن کان منکم
مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر ہے۔ اور جہاں کوئی نص وارد نہ ہو
تو ان کے نزدیک قضا تفویت کے سبب سے ثابت ہوتی ہے جو کہ قضا کی
نص کے قائم مقام ہے پس اختلاف کا ثمرہ ہمارے اور ان کے درمیان
فوات میں ظاہر ہوا ہمارے نزدیک فوات میں قضا واجب ہوتی ہے اور
امام شافعی کے نزدیک نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تفویت کی طرح
فوات بھی نص کے قائم مقام ہوتی ہے۔ تو اس صورت کو اختلاف
مسائل کے استنباط میں ہوگا ہمارے نزدیک تمام قسم کی قضا نص
سابق سے واجب ہوتی ہے اور ان کے نزدیک یا نص جدید سے یا فوات
اور تفویت سے ثابت اور واجب ہوتی ہے

1۔ ہمارے استدلال کے موافق یہ مسائل ہیں (i) حضر کی قضا کو سفر میں
چار رکعات ہی ادا کرنا (ii) سفر کی قضا کو حضر میں دو رکعتیں ادا کرنا
(iii) دن میں جہری نماز کی قضا جہر سے اور رات میں سری نماز کی قضا
سر سے کرنا۔

2۔ اور امام شافعی کے استدلال کے موافق یہ مسائل ہیں۔ (i) صحت مند
آدمی کا قضا کرنا حالت مرض کی نماز کو تندرست کی طرح (ii) اور بیمار
آدمی کا زمانہ صحت کی نماز کو عذر مرض سے قضا کرنا۔

سوال نمبر 14

ادا کی تعریف اور اس کی اقسام تحریر کریں نیز حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ہر ایک کی مثال سپرد قلم کریں؟

جواب:

ادا کی تعریف:

ھو تسلیم عین الواجب بالامر

امر سے ثابت ہونے والی چیز کو بعینہ سپرد کرنا

ادا کی اقسام:

ادا کی تین قسمیں ہیں

(۱) ادا کامل (۲) ادا قاصر

(۳) ادا شبیہ بالقضا

شارح فرماتے ہیں کہ ماتن علیہ الرحمہ نے اس تقسیم میں مسامحت سے کام لیا ہے کیونکہ ان اقسام میں کوئی تقابل نہیں پایا جاتا ان کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ ادا کی چند قسمیں ہیں۔ ادا محض اور اس کی چند قسمیں ہیں کامل اور قاصر اور ادا شبیہ بالقضا

(۱) ادا کامل:

ادا کامل سے مراد وہ ادا ہے جس میں مامور بہ کو اسی وصف کیساتھ ادا کیا جائے جس طرح وہ واجب ہوئی ہو

(۲) ادا قاصر:

وہ ادا جس میں مامور بہ کو اس طرح پورا ادا نہ کیا جاسکے جس طرح وہ واجب ہو

(۳) ادا شبیہ بالقضاء:

یعنی وہ ادا جس میں التزام قضا کے ساتھ

مثال بہت ہیں ادائے حقوق اللہ سے مثالیں

(i) ادائے کامل کی مثال:-

نماز کو باجماعت ادا کرنا یہ ادائے کامل کی مثال ہے کیونکہ یہ اسی طرح اس کے ذمہ میں تھی جس طرح اس کو ادا کیا گیا ہے اس لئے کہ نماز باجماعت ہی مشروع ہوئی ہے کیونکہ دو دن تک حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جماعت سے نماز پڑھائی ہے

(ii) ادائے قاصر کی مثال:-

نماز کو تنہا ادا کرنا ادائے قاصر کی مثال ہے کیونکہ یہ جو اس کیلئے جائز تھا اس کے خلاف ہے اسی وجہ سے جہری نماز میں منفرد سے جہر کرنا ساقط ہو جاتا ہے

(iii) ادا شبیہ بالقضاء کی مثال:-

امام کے فارغ ہونے کے بعد مسافر لاحق کا [illegible] کی اقامت کی نیت کر لینے سے فرض تبدیل نہیں ہوتا جو کہ ادا شبیہ بالقضاء کی مثال ہے

اس کی صورت یہ ہے کہ لاحق مسافر تھا اس نے دوسرے مسافر کی اقتداء کر لی پھر دوران صلوٰۃ اسے حدث لاحق ہو گیا تو وہ وضو کرنے اپنے شہر گیا یا اسی جگہ اس نے اقامت کی نیت کر لی پھر واپس آیا یہاں تک کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا تھا اور اس نے اس دوران کوئی گفتگو بھی نہیں کی اور باقی نماز شروع کر دی تو یہ شخص چار رکعتیں نہیں پڑھے گا بلکہ دو رکعتیں ہی ادا کرے گا اسی طرح اگر وہ نماز سفر میں اس سے قضا ہوئی تو اقامت کی نیت سے اس کا فرض تبدیل نہ ہوتا۔ پس یہ نماز کا پورا کرنا

وقت کے باقی رہنے کی وجہ سے ادا ہے اور کما التزم کے مطابق ادا نہ کرنے کی وجہ سے مشبہ بالقضاء ہے۔

اداء کی حقوق العباد سے مثالیں

(۱) اداء کامل کی مثال :-

عین مغصوب کو اسی وصف کیساتھ جس وصف پر اس کو غصب کیا تھا مالک کو واپس کرنا اس طرح کہ مغصوب میں کوئی جنایت واقع نہ ہو اور نہ وہ قرض کے ساتھ مشغول ہو اور نہ ہی کسی قسم کا حسی اور ظاہری نقصان واقع ہو تو یہ اداء کامل کی مثال ہے کیونکہ یہ ادا اسی وصف کیساتھ ہوئی ہے جس وصف پر اس کو غصب کیا تھا اس میں کوئی کمی یا نقصان واقع نہیں ہوا

(۲) اداء قاصر کی مثال :-

غصب شدہ چیز کو جرم و جنایت کیساتھ واپس کرنا یہ اداء قاصر کی مثال ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی نے کوئی غلام غصب کیا اور وہ غلام جرم اور جنایت سے بری تھا اس کے بعد غاصب کے قبضہ میں آنے کے بعد اس پر قرض ہو گیا یا جنایت لاحق ہو گئی تو اب اس نے جو واپس کیا تو یہ اداء قاصر ہو گا کیونکہ اس نے جس طرح غلام کو غصب کیا تھا اس طرح اس کو واپس نہیں کیا۔

(۳) اداء شبیہ بالقضاء کی مثال :-

دوسرے آدمی کے غلام کو مہر مقرر کرنا اور پھر اس کو خرید کر عورت کے حوالے کر دینا یہ اداء شبیہ

بالقضا کی مثال ہے جیسا کہ ایک آدمی نے اپنا نکاح غیر کے غلام کو مہر مقرر کر کے کیا۔ بعد میں شوہر نے غلام خرید کر بیوی کے حوالے کر دیا تو یہ ادا تو اس حیثیت سے ہے کہ اس نے وہی غلام حوالے کیا ہے جس پر عقد ہوا تھا لیکن شبیہ بالقضا ہے اس لئے کہ ملک کے بدلنے سے عین تبدیل ہو جاتا ہے پس جب غلام مالک کا مملوک تھا تو اور شخص تھا جب شوہر نے خریدا تو اور شخص ہو گیا اور جب مہر کے طور پر عورت کے حوالے کیا تو تیسرا شخص ہو گیا

اس مسئلے کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت بریرہ نے کچھ پیش کئے اور ہنڈیا میں گوشت بھی پک رہا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا گوشت میں ہمارا کوئی حصہ نہیں انہوں نے عرض کی حضور یہ تو میرے پاس صدقہ کے طور پر آیا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے صدقہ ہے ہمارے لئے ہدیہ ہے یعنی تم کو مالک نے دیا تو صدقہ تھا لیکن تم ہم کو دو گی تو یہ ہدیہ ہو گا کیونکہ ملک کی تبدیلی سے عین تبدیل ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر 15

قضا کی تعریف اور اقسام بیان کرتے ہوئے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ہر ایک کی امثلہ تحریر کریں؟

جواب:

قضا کی تعریف:

ہو تسلیم مثل الواجب بالامر

جو امر سے ثابت ہوا ہو اس کی مثل کو سپرد کرنا

قضا کی اقسام:

قضا کی تین قسمیں ہیں

(i) قضا مثل معقول (ii) قضا مثل غیر معقول

(iii) قضا شبیہ بالاداء

(i): قضا مثل معقول:

وہ قضا جس کی مماثلت عقل سے سمجھی جاتی ہے شریعت سے نہیں، اس کو قضا مثل معقول کہتے ہیں۔

(ii) قضا مثل غیر معقول:

وہ قضا جس کی مماثلت صرف شریعت سے معلوم ہوتی ہو عقل اس کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہو مگر یہ عقل کے خلاف نہیں ہوتی اسی قضا کو مثل غیر معقول کہتے ہیں۔

(iii) قضا شبیہ بالاداء:

یعنی وہ قضا جس میں ادا کے معنی حقیقتاً، حکماً یا مجازاً پائے جاتے ہوں اس کو قضا شبیہ بالادا کہتے ہیں

(نوٹ): قضا بمثل غیر معقول کیلئے بالاتفاق سبب جدید کا ہونا ضروری ہے اور اختلاف صرف مثل معقول میں ہے

قضا کی حقوق اللہ سے مثالیں:

(i) قضا مثل معقول کی مثال:

روزہ کی قضا روزے سے کرنا

یہ قضا مثل معقول کی مثال ہے کیونکہ روزے کی قضا روزے سے کرنا یہ امر معقول ہے کیونکہ واجب اس کے ذمہ میں یا تو ادا سے ساقط ہوگا یا پھر صاحب حق کے ساقط کرنے سے اور جب ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ پایا گیا تو وہ اس کے ذمہ میں باقی رہے گی۔

(ii) قضا مثل غیر معقول کی مثال:

روزہ کی قضا فدیہ کے ساتھ دینا

یہ قضا مثل غیر معقول کی مثال ہے اسلئے کہ روزہ کے مقابلہ میں فدیہ ادا کرنا یہ ایسا امر ہے جس کا ادراک عقل نہیں کر سکتی کیونکہ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی صورتاً مماثلت نہیں اور نہ معنی بھی کوئی مماثلت نہیں کیونکہ روزہ نفس کو بھوکا رکھنا ہے اور فدیہ شکم سیری ہوتی ہے

(iii) قضا شبیہ بالاداء:

نماز عید کی تکبیروں کا رکوع میں قضا کرنا

یہ قضا شبیہ بالاداء کی مثال ہے وہ شخص جو عید کی نماز میں امام کو رکوع میں پائے اور تکبیرات واجبہ اس سے فوت ہو جائیں تو ہمارے نزدیک رکوع میں تکبیر کہلے دیگر رکوع تو نہ اٹھائے کیونکہ

رکوع فرض ہے اور تکبیرات واجب لہٰذا اگر ممکن ہو تو دونوں کی رعایت کی جائے گی۔ اور عید کی نماز میں تکبیروں میں ہاتھ اٹھانا اور رکوع میں گھٹنوں پر رکھنا یہ سنت ہے اسلئے ایک کی وجہ سے دوسرے کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

یہ ہے تو قضا لیکن ادا کے مشابہ ہے کیونکہ رکوع قیام کے مشابہ ہے اور اس میں نصف حصہ اپنی حالت پر رہتا ہے دوسری وجہ یہ کہ جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے رکعت کو پالیا باقی تمام اجزا ادا کیا تو اسی لئے احتیاطاً وہ تکبیرات کو رکوع میں ادا کرے۔ امام ابو یوسف اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ ان تکبیروں کی رکوع میں قضا نہ کی جائے کیونکہ ان کا محل فوت ہو گیا ہے۔

قضا کی حقوق العباد سے مثالیں:

(۱) قضا مثل معقول کی مثال:

مغصوب شدہ چیز کی ضمان مثل کے ساتھ دینا یہ سابق ہے یا قیمت سے تاوان دینا اس کی صورت یہ ہے کہ کسی نے کوئی مثلی چیز غصب کی اور پھر اس کو ہلاک کر دیا اور اس کی مثل لوگوں میں پائی جاتی ہے تو وہ قضا کے قول السابق پر عمل کرتے ہوئے اس کی مثل سے تاوان دیا جائے گا یا پھر اس کی مثل نہ پائی جاتی ہو بازار میں تو پھر لیکن لوگوں کے ہاں بھی اگر نہ پائی جاتی ہو تو اس کا تاوان قیمت سے دینا یہ قضا مثل معقول کی مثال ہے اسلئے کہ شئے کی مثل اور اس کی قیمت دونوں مثل معقول ہیں

پہلی صورت اور معنی دونوں لحاظ سے اس کی مثل ہے اور دوسری
معنی کے لحاظ سے اس کی مثل ہے اگرچہ صورتاً نہیں البتہ پہلی کامل
ہے اور دوسری مثل قاصر ہے اور اسی وجہ سے پہلی مقدم ہے

(ii) قضا مثل غیر معقول کی مثال:

جان اور اعضاء بدن کا ضمان مال سے
دینا یہ قضا مثل غیر معقول کی مثال ہے اس لئے کہ
نفس یا ٹوٹنے والے اعضاء کا تاوان پوری دیت اور انسان کا ہاتھ یا پیر یا انگلی کو
خطاءً کاٹنے کی کل دیت یا بعض دیت دینا ایسا امر ہے جو عقل
کے ادراک سے باہر ہے اس وجہ سے کہ وہ آدمی جو مال کو
خرچ کرتا ہے اور آدمی اس کا مالک ہے اور مال مملوک ہے دونوں میں
کوئی مماثلت نہیں پائی جاتی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لئے
جائز قرار دیا تاکہ نفس محترمہ کا مفت میں ضیاع لازم نہ
آئے کیونکہ قصاص تو عمداً قتل کی صورت میں مشروع ہوتا ہے
تاکہ فسادات پیدا ہو جائے۔

(iii) قضا شبیہ بالاداء کی مثال:

کسی غیر معین غلام کو مہر مقرر کر کے
عورت سے نکاح کرنا اور پھر اس کی قیمت ادا کرنا یہ قضا شبیہ بالادا
کی مثال ہے اگر کسی نے عورت سے نکاح کیا اور غیر متعین غلام مہر کیا اگر اوسط
درجہ کا غلام خرید کر عورت کے سپرد کر دیا تو یہ ادا ہے لیکن اگر اوسط کی قیمت
دی تو یہ قضا ہے مگر ادا کے معنی میں کیونکہ غلام کے اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ
ہونے کی تعیین اسکی قیمت سے ہی ہو سکتی ہے لہذا مرجع قیمت
ہی ہو گا اسلئے وہ قیمت ہی ادا کرے گا اسلئے قیمت ادا کے
معنی میں ہو گی

سوال نمبر

قدرت کی اقسام مع امثلہ سپرد قرطاس کریں؟

جواب:

قدرت کی دو قسمیں ہیں

(۱) مطلق (۲) کامل

قدرت وہ ہے جس کے ساتھ انسان کے ذمہ جو ہوتا ہے اس کو ادا کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور اس کے معنی اسباب اور آلات کے سلامت ہونے کے ہیں

(۱) قدرت مطلق:

غیر مقید بصفۃ الیسر والسہولۃ

یعنی وہ قدرت جو آسانی اور سہولت کی صفت کے ساتھ مقید نہ ہو۔

اور اس سے مراد وہ ادنی قدرت ہے جس کے ساتھ بندہ اس ادا کو کرنے پر قادر ہوتا ہے جو اس کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور یہ قدرت ہر امر کی ادائیں شرط ہے۔ اس قدرت کی ادنی مقدار وہ چار رکعات ظہر کی پڑھنے پر قادر ہوتا ہے اگر اتنی مقدار حاصل ہو گئی تو اس کا نام قدرت ممکنہ ہے جس کو صاحب منار نے قدرت مطلق ذکر کیا ہے

لفظ ادنی "مقسم" اور "قسم" کے درمیان فرق کرتا ہے

(۱) مقسم = وہ مطلق قدرت جس کے ساتھ بندہ قادر ہوتا ہے

(۲) قسم = وہ ادنی قدرت جس کے ساتھ بندہ قادر ہوتا ہے

پس کسی شے کا فی نفسہ یا نفسہ غیرہ کی طرف تقسیم ہونے کا کا الزام کا جو وہم تھا وہ بھی وارد نہیں ہوتا۔

باد اول امر کی قدرت رکھا کہ مصنفات نے واضح کیا
کہ قضا اس قدرت میں مطلق شرط نہیں بلکہ اس
وقت شرط ہے جب فعل کو طلب کیا گیا ہو اور اگر فعل
سوال یا گناہ طلب کیا گیا ہو تو پھر بھی شرط نہیں ہے
اور اس قدرت ممکنہ ادنیٰ میں وقت کا
متوہم الوجود ہونا شرط ہے متحقق الوجود ہونا شرط نہیں
ہے یعنی چار رکعات ادا کرنے کیلئے وقت کے وجود کا متحقق
ہونا ضروری نہیں اگر وہم بھی پایا گیا اور خارج میں
موہوم ثابت ہو گیا اس طرح کہ وقت اللہ کی جانب سے
لمبا ہو گیا تو وہ اس میں ادا کرے گا ورنہ ثمرہ قضا
کی قدرت میں ظاہر ہو گا

متوہم الوجود کی مثال یہ ہے کہ اگر بچہ بالغ
ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا یا حائضہ عورت پاک ہو گئی
آخری وقت میں تو ان کے ذمے نماز فرض ہو جائے
گی کیونکہ اس طرح کے امکان کیسا تو وقت کے آخر
میں لمبا ہونے کا وہم موجود ہے

وقت کا لمبا ہونا ممکن ہے اگرچہ
عادت کے خلاف ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نقل قرآن
میں موجود ہے کہ آپ کے لیے وقت لمبا ہو گیا اور آپ
نے نماز پڑھی اسی طرح حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے
جب آپ قوم جبارین سے قتال کر رہے تھے وقت لمبا
ہو گیا تھا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جب
حضرت علی کی نماز رہ گئی تھی وقت لمبا ہو گیا تھا

لیکن حج میں زاد راہ اور سواری کے وجود کا اعتبار
نہیں کیا جائے گا اگرچہ اکثر لوگ بغیر ان کے بھی حج
کر لیتے ہیں لیکن اگر اس میں وجود کا اعتبار ہو تو عظیم
حرج واقع ہوگا کیونکہ اگر اعتبار کیا جائے تو اس
کا ثمرہ قضا ہوگا اور حج کی قضا نہیں ہوتی اور وجوب
اور گناہ کے حق میں اس کا ثمرہ ظاہر ہو یہ امر غیر معقول ہے

(۲) کامل قدرت:

وھو القدرۃ المیسرۃ للاداء

اداء کیلئے آسان قدرت کا میسر ہونا قدرت کامل
کہلاتا ہے۔ اور اس کا دوسرا نام قدرت میسرہ بھی ہے
کیونکہ اس کو مکلف پر ادا کیلئے آسان اور
سہل بنایا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے
مشکل تھی پھر آسان ہو گئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کو
ابتداء ہی سے آسان اور سہولت کیساتھ واجب کیا گیا ہے
جس طرح عربوں کا قول ہے
ضیّق فم البئر۔ یعنی کنویں کا منہ تنگ کر
مطلب یہ کہ اس کو ابتداء سے ہی تنگ بنا اور یہ قدرت
زکوٰۃ مالی عبادات میں شرط ہے بدنی عبادات میں نہیں

اس کی شرط:
قدرت کاملہ کا دوام اس کے واجب
کے دوام کیلئے شرط ہے یعنی قدرت ہوگی تو واجب باقی رہے
گا اگر قدرت نہ رہی تو واجب بھی اٹھ جائے گا
کیونکہ واجب بطریق یسر ثابت ہوا ہے اگر قدرت کے
بغیر بھی وہ باقی رہے تو پھر وہ یسر سے عسر کی طرف پھر جائے

گا۔ اسی لئے قدرت کا دل کا باقی رہنا اور اس کے
واجب کے باقی رہنے کیلئے شرط ہے۔

طالبِ دعا:

سگِ آستانِ مصطفائی

حافظ شعیب احمد مصطفائی

کلاس: فاضل عربی اے A